THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

انور سجاد کے افسانوں میں اساطیری عناصر: ایک تنقیدی مطالعہ

Mythical Elements in the Short Stories of Anwar Sajjad: A Critical Study

Sukaina Bashir
Scholar Ph.D. Urdu. Department of Urdu Zuban-O-Adab, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi.

سوکینا بشیر، سکالر پی ایچ ڈی اردو، شعبۂ اردو زبان وادب، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی

Dr. Aqlima Naz
Assistant Professor. Department of Urdu Zuban-O-Adab, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi.

ڈاکٹر اقلیمہ ناز، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو زبان وادب، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی

aqlimanaz@fjwu.edu.pk

ABSTRACT
Anwar Sajjad holds a distinctive and prominent position in Urdu fiction. The use of mythic elements in Anwar Sajjad's fictional style is found to be deeply meaningful, and his creative world can be understood through Lévi-Strauss's concept of mythic binaries. In his stories, myth is not merely a relic of tradition or ancient narrative; rather, it becomes a symbolic system for expressing the existential crisis of modern man, inner fragmentation, social oppression, and the struggle for identity. His dream-like narratives transcend literal reality and operate primarily at the level of symbols, embodying fundamental oppositions such as freedom and confinement, light and darkness, life and death, consciousness and the unconscious, and good and evil. This study demonstrates that the formation and interaction of these binaries reflect the same intellectual principles that Lévi-Strauss identifies in the structure of myth namely, the human mind's method of making sense of the world. Consequently, Anwar Sajjad's stories move beyond mere storytelling and emerge as a mythic mirror of modern humanity's psychological, cultural, and ethical dilemmas, establishing a distinctive model for the creative and philosophical use of myth in Urdu fiction.
Keywords:
Anwar Sajjad, Urdu fiction, myth, mythical elements, symbolic narrative, existential crisis, binary oppositions, Lévi-Strauss, modern human consciousness, allegorical storytelling.

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

اساطیر (Mythology) سے مراد وہ قدیم کہانیاں، روایات اور تمثیلی بیانیے ہیں جو کسی قوم، تہذیب یا مذہب کے بنیادی عقائد، کائنات کے تصور، انسان کی ابتدا، دیوتاؤں، فوق الفطرت طاقتوں اور اخلاقی اقدار کو بیان کرتے ہیں۔ یہ کہانیاں بظاہر خیالی یا غیر حقیقی معلوم ہوتی ہیں مگر دراصل یہ کسی معاشرے کے اجتماعی شعور، فکری ساخت اور روحانی تجربے کی عکاس ہوتی ہیں۔

لغوی اعتبار سے اساطیر عربی لفظ سطر سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں "لکھی ہوئی بات" یا "تحریر"۔ قرآنِ مجید میں "اساطیرُ الاوّلین" کی ترکیب آئی ہے جس سے مراد قدیم لوگوں کی کہانیاں یا روایات لی جاتی تھیں۔ مگر علمی و ادبی تناظر میں اساطیر کو محض جھوٹ یا افسانہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ انسان کی ابتدائی فکری و تہذیبی کوششوں کا مظہر ہیں۔ فیروز اللغات میں اساطیر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> "اساطیر: اسطارہ یا اسطورہ کی جمع۔ قصے کہانیاں، اساطیر الاولین، اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں۔"(1)

اصطلاحی طور پر اساطیر وہ علامتی کہانیاں ہیں جو کائنات کی تخلیق، انسان کی پیدائش، خیر و شر کی کشمکش، موت اور حیات جیسے بنیادی سوالات کا جواب دینے کی کوشش کرتی ہیں۔

> "اساطیر انسان کی فکری صورت گری کا وہ نامیاتی عنصر ہیں جس نے اس کے لیے ضابطۂ حیات کا تعین کیا ہے۔ اساطیری ادب کے عالمی ذخیرے کے مطالعے سے جن خوبصورت، حیرت انگیز اور خیال بردار تماثیل کا احساس ہوتا ہے، وہ نفسی تجزیہ کا نقشِ اول ہیں۔ تمام اساطیر موت اور زندگی کے بعد موت یعنی تخلیق اور تخلیق در تخلیق کے آرکی ٹائپ کو فطرت کے دائروی نظام کی مانند پیش کرتے ہیں۔"
>
> (2)

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

اساطیر (Myths) انسان کی سوچ، تصورِ کائنات اور ذہنی تشکیل کا بنیادی حصہ ہیں۔ ابتدائی انسان نے جب دنیا کو سمجھنے کی کوشش کی تو سائنس یا فلسفہ اس کے پاس نہیں تھا اس لیے اس نے کہانیوں، علامتوں اور دیومالائی تصورات کے ذریعے زندگی کے اصول مرتب کیے۔ اسی لیے اساطیر محض قصے نہیں بلکہ انسانی فکر کی بنیاد ہیں۔

اساطیری ادب میں ہمیں ایسی تصویریں، استعارے اور تمثیلیں ملتی ہیں جو نہ صرف خوبصورت اور حیرت انگیز ہیں بلکہ انسانی لاشعور (unconscious mind) کی گہری پرتوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ یعنی یہ کہانیاں انسان کے اندرونی خوف، امید، خواہش اور روحانی تجربے کا پہلا نقش ہیں۔

> "اساطیر میں مذہبی اور تمثیلی مقاصد بیک وقت موجود ہوتے ہیں
> یعنی اساطیر / اسطورہ نگار تجسیم کے ذریعے سے فطرت کی توضیح کرتا ہے۔"(3)

ادب میں اساطیر کو محض قدیم قصے کے طور پر نہیں بلکہ ایک طاقتور علامتی اور استعاراتی نظام کے طور پر برتا جاتا ہے۔ جدید ناول، افسانے اور شاعری میں اساطیری کردار، واقعات اور تماثیل انسانی نفسیات، سماجی بحران اور وجودی سوالات کو گہرائی اور معنویت کے ساتھ پیش کرنے کا وسیلہ بنتے ہیں۔ دراصل اساطیر اپنی فطرت ہی میں ادبی اظہار کی متقاضی ہوتی ہیں کیونکہ ان کا اصل جوہر تخیّل، علامت اور معنی کی کثیر سطحی تشکیل میں پوشیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب کی بعض اصناف خصوصاً جدید فکشن، علامتی افسانہ، اسطوری ناول اور تمثیلی شاعری اساطیر کی سرحدوں کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں اور ان سے تخلیقی توانائی حاصل کرتی ہیں۔ اس طرح اساطیر محض ماضی کی یادگار نہیں رہتیں بلکہ انسانی شعور کی گہری تہوں کو منکشف کرنے والا ایک زندہ ادبی اور فکری وسیلہ بن جاتی ہیں۔

> "اساطیر اپنی نوع کے اعتبار سے اپنا اظہار ادب کی صورت میں ہی
> کرتی ہیں۔ ادب میں کچھ اصناف ایسی ہیں جو اساطیر کی حدود کے ساتھ اپنے وجود کو مس
> کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔"(4)

خاص طور پر تمثیلی ادب اساطیر سے نہایت گہرا رشتہ قائم کرتا ہے کیونکہ تمثیل میں بھی معنی براہِ راست نہیں بلکہ علامت، استعارے اور اشارات کے پردے میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اس صنف میں کردار اور واقعات محض ظاہری سطح پر نہیں رہتے بلکہ کائناتی، اخلاقی اور وجودی معنویت کے حامل بن جاتے ہیں۔ یوں تمثیلی بیانیہ اساطیری شعور کو جدید تخلیقی تناظر میں زندہ رکھتا ہے اور انسان کے باطنی تجربے، اجتماعی خوف اور امیدوں کو ایک وسیع تر معنوی افق عطا کرتا ہے۔ اس طرح ادب اور اساطیر ایک دوسرے میں مدغم ہو کر انسانی تخیل کو نئی جہتیں عطا کرتے ہیں اور فکر و احساس کی گہری تہوں کو منکشف کرتے ہیں۔

اسی ہم آہنگی اور باہمی امتزاج کو نظری سطح پر سمجھنے کے لیے ساختیاتی مفکر کلاڈ لیوی اسٹراس کی فکر خاص اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ وہ اساطیر کو محض تخیلاتی قصے نہیں بلکہ انسانی ذہن کی بنیادی ساخت کا مظہر قرار دیتا ہے۔ اس کے مطابق اساطیر دراصل انسانی سوچ کے منطقی نظام کو علامتی صورت میں ظاہر کرتی ہیں اور متضادات جیسے زندگی موت، فطرت ثقافت، انسان دیوتا کو بیانیے کے ذریعے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ لیوی اسٹراس کے نزدیک اسطورہ زبان کی طرح ایک منظم ساخت رکھتا ہے جسے اجزا میں تحلیل کر کے اس کے اندرونی معنی تک پہنچا جا سکتا ہے۔ لیوی سٹراس کے بقول:

> "Myth is language: to be known, it must be told; it is both same and different, like music."(5)

اسطورہ زبان ہے: اسے جاننے کے لیے سنایا جانا ضروری ہے۔ یہ بیک وقت ایک جیسا بھی ہے اور مختلف بھی، بالکل موسیقی کی طرح۔"

لیوی اسٹراس کے مطابق اسطورہ کا مقصد کسی تاریخی حقیقت کو بیان کرنا نہیں بلکہ انسانی ذہن کے تضادات کو علامتی سطح پر منظم کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید ادب، خصوصاً علامتی افسانے اور اسطوری بیانیے، لیوی اسٹراس کے ساختیاتی ماڈل سے متاثر ہو کر اساطیر کو محض روایت کے طور پر نہیں بلکہ معنی کی تخلیق کے نظام کے طور پر برتتے ہیں۔ اس طرح اساطیر اور

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

ادب ایک مشترک فکری میدان میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں کہانی محض کہانی نہیں رہتی بلکہ انسانی شعور کی گہری ساخت کا آئینہ بن جاتی ہے۔

اسی نظری فضا سے اردو جدید افسانہ بھی مکالمہ کرتا ہے، اور اس سلسلے میں ڈاکٹر انور سجاد کی فکشن نگاری خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔

ان کی نمایاں تصانیف میں رگِ سنگ، استعارے، آج، پہلی کہانیاں، چوراہا، زرد کونپل، خوشیوں کا باغ، نگار خانہ، صبا اور سمندر، جنم روپ (ناول)، نیلی نوٹ بک، رسی کی زنجیر، رات کا پچھلا پہر، رات کے مسافر، تلاشِ وجود، سورج کو ذرا دیکھ اور مجموعہ ڈاکٹر انور سجاد شامل ہیں۔

وہ اردو کے ان چند افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے حقیقت پسندی سے آگے بڑھ کر علامت، اسطورہ، خواب، لاشعور اور وجودی کرب کو بیانیے کا بنیادی حصہ بنایا۔ ان کے افسانے براہِ راست سماجی واقعہ نگاری نہیں کرتے بلکہ انسانی باطن، خوف، تنہائی اور معنی کی تلاش کو استعاراتی سطح پر پیش کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی تخلیقی دنیا لیوی اسٹراس کے تصورِ اسطورہ سے ہم آہنگ دکھائی دیتی ہے، کیونکہ یہاں بھی کہانی تاریخ نہیں بنتی بلکہ انسانی ذہن کی اندرونی ساخت کی علامتی تشکیل بن جاتی ہے۔

> "ڈاکٹر انور سجاد نے علامتی افسانہ نگاری میں کمال حاصل کیا۔
> انہوں نے اس میدان میں ایک منفرد مقام پایا۔ ان کے افسانوی مجموعہ
> "استعارے" اس کی زندہ مثال ہے۔"(6)

اسی فکری ہم آہنگی نے انور سجاد کو جدید اردو افسانے میں علامتی اور استعاراتی بیانیے کا ایک منفرد معمار بنا دیا۔ انہوں نے محض علامتیں استعمال نہیں کیں بلکہ علامت کو ایک پورے فکری نظام میں ڈھال دیا، جس میں خواب، اسطورہ اور لاشعور ایک دوسرے میں پیوست ہو کر معنی پیدا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں اساطیر محض ثقافتی یادداشت نہیں رہتیں بلکہ ایک ساختیاتی نظامِ معنی کے طور پر ابھرتی ہیں۔ ان کے کردار بظاہر روزمرہ زندگی میں سانس لیتے ہیں، مگر اکثر

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

ایک ماورائی یا اساطیری دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں زندگی، موت، وجود، عدم اور شعور، لاشعور جیسے تضادات بیانیے کی بنیاد بن جاتے ہیں۔ اس حوالے سے شمس الرحمٰن فاروقی رقم طراز ہیں:

"انور سجاد کے افسانوں میں دستاویز، تمثیل یا محض نشان بننے والا
یا اس طور پر استعمال کیا جانے والا انسان (کردار) نہیں ملتا۔ ان کے افسانے سماجی
تاریخ نہیں بنتے بلکہ اس سے عظیم تر حقیقت اس لیے بنتے ہیں کہ ان کے یہاں انسان
یعنی کردار علامت بن جاتا ہے۔"(7)

انور سجاد کے یہاں کردار محض سماجی حقیقت کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ معنی کی گہری علامتی سطح پر منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہی خصوصیت انہیں روایتی حقیقت پسندی سے الگ کر کے اساطیری تخیل کے قریب لے آتی ہے، کیونکہ جب انسان بطور علامت سامنے آتا ہے تو اس کا تجربہ بھی محض وقتی واقعہ نہیں رہتا بلکہ کائناتی اور تہذیبی معنویت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی لیے انور سجاد کے افسانوں میں عام انسانی عمل بھی ایک بڑے تخلیقی استعارے کی صورت اختیار کر لیتا ہے—جہاں روزمرہ کی محنت، امید اور خوف قدیم اساطیری آرکی ٹائپس سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اسی تناظر میں ان کے افسانوی مجموعے "آج" کے افسانے "سازشی–2" سے اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"ہم نے سوچا ہم اپنے لئے نہر کھود رہے ہیں جو ہماری زمین سے
ہمارے لئے زندگی اگائے گی۔"(8)

درج بالا اقتباس میں محض ایک زرعی یا عملی عمل نہیں بلکہ گہرا اساطیری شعور کارفرما ہے۔ یہاں نہر کھودنا صرف پانی کے راستے کی تعمیر نہیں رہتا بلکہ تخلیقِ حیات کی علامت بن جاتا ہے، جیسا کہ قدیم اساطیر میں پانی ہمیشہ پیدائش، زرخیزی اور تجدیدِ حیات کی قوت سمجھا گیا ہے۔ زمین ماں کی مانند نمودار ہوتی ہے اور پانی اس کی تخلیقی توانائی بن کر نئی زندگی کو جنم دیتا ہے۔ یوں انسان محض محنت کش نہیں بلکہ اپنی تقدیر کا معمار اور تہذیب ساز اساطیری ہیرو دکھائی دیتا ہے جو فطرت کے

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

ساتھ تصادم کے بجائے ہم آہنگ ہو کر زندگی کو جنم دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس جملے میں امید، یقین اور کائناتی توازن کا وہی دائروی تصور جھلکتا ہے جو کلاسیکی اساطیر میں موت سے زندگی اور فنا سے بقا تک کے سفر کو معنی دیتا ہے۔

> "رائفلوں والے پہرے دار وقت ہمارے سروں پر منڈلاتے رہتے تھے۔ ہمیں سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملتی تھی کہ یہ کس کے لئے، کس کی حفاظت کر رہے تھے۔ ہم تو بس آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے دنیا جہان کی باتیں کرتے، چپ چاپ، سارا دن مٹی کی ٹوکریاں بھر بھر کر ٹرکوں میں ڈالتے رہتے تھے۔ ہم آزاد تھے، صرف ایک دوسرے کو دیکھ کر یاد آتا تھا کہ ہم قید میں ہیں (9)"۔

لیوی اسٹراس کے ساختیاتی زاویے کے مطابق یہاں ایک گہرا اساطیری تضادی نظام کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ رائفل بردار پہرے دار محض ریاستی طاقت نہیں بلکہ ایک طرح کی ماورائی، ضابطہ ساز قوت کی علامت بن جاتے ہیں جو انسان اور فطرت کے درمیان کھڑی ہے ہے۔ ایک طرف طاقت / جبر ہے اور دوسری طرف محنت / تخلیق۔ جبکہ دوسری طرف آزاد اور قید بھی بائنری اپوزیشن کے ضمن میں اساطیری پہلو کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہی وہ ثنائی تضاد ہے جسے لیوی اسٹراس اسطورے کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ لوگوں کی خاموش نگاہوں کا مکالمہ لفظوں کے بجائے اشاروں میں ہونا زبان سے ماورا، قبل از ثقافت، شعور کی یاد دلاتا ہے گویا وہ تہذیب سے پہلے کے انسان کی طرح خاموشی میں معنی پیدا کر رہے ہوں۔ یہی تناؤ اس بیانیے کو لیوی اسٹراس کے مطابق ایک جدید اساطیری ساخت عطا کرتا ہے۔

انسانی زندگی اپنی اصل میں محض واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ مسلسل معنی کی تلاش کا سفر ہے اور یہی تلاش اسے کہانی کی صورت اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ فرد اپنے دکھ، خوف، امید اور خواہش کو جب زبان دیتا ہے تو وہ ذاتی تجربہ رفتہ رفتہ اجتماعی بیانیہ بن جاتا ہے جس میں حقیقت اور تخیل ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سادہ کہانی آہستہ آہستہ اسطورے کی شکل اختیار کر لیتی ہے کیونکہ انسان اپنے محدود تجربے کو کائناتی معنویت عطا کرنے کے لیے

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

علامت، استعارے اور تمثیل کا سہارا لیتا ہے۔ اساطیر دراصل اسی انسانی ضرورت کا نتیجہ ہیں۔ وہ ضرورت جس میں فرد اپنی زندگی کو محض وقتی واقعہ نہیں بلکہ ایک بڑے کائناتی ڈرامے کا حصہ سمجھنا چاہتا ہے۔ یوں انسانی زندگی کہانی بنتی ہے، کہانی ثقافت بنتی ہے اور ثقافت بالآخر اسطورہ بن کر انسانی شعور کی گہری ساخت کو محفوظ کر لیتی ہے۔ اسی لیے جدید ادب، خصوصاً انور سجاد کا افسانوی بیانیہ، انسانی تجربے کو اساطیری سطح تک لے جاتا ہے جہاں فرد کی ذاتی جدوجہد پوری نوعِ انسانی کی علامت بن جاتی ہے۔

> "کہانی انسان کا محض تفریحی مشغلہ نہیں بلکہ اس کی تہذیبی یادداشت ہے۔ انسان جب اپنے تجربے کو بیانیے میں ڈھالتا ہے تو وہ تاریخ نہیں لکھتا، بلکہ معنی تخلیق کرتا ہے۔ اسی عمل میں کہانی اسطورے کے قریب پہنچ جاتی ہے، کیونکہ اسطورہ بھی دراصل اجتماعی شعور کی وہ زبان ہے جس میں انسان اپنی اصل شناخت محفوظ کرتا ہے۔"(10)

افسانہ "محبت کی داستان" سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "ایک ہاتھ رقص کے انداز میں فضا میں جامد ہو گیا ہے اور دوسرے ہاتھ نے مرد کے کٹے سر کو الجھے الجھے لمبے لمبے بالوں سے پکڑ رکھا ہے اور بڑی نخوت سے تمسخر بھری مسکراہٹ ہونٹوں پر لئے سر کو دیکھتی ہے۔"(11)

لیوی اسٹراس کے نظریے کے مطابق، اس طرح کے مناظر متضاد عناصر زندگی / موت، طاقت / کمزوری، مرد / عورت کو علامتی سطح پر پیش کرتے ہیں تاکہ انسانی شعور کی گہری ساخت واضح ہو۔ مرد کی موت اور عورت کی فتح یہاں صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ تہذیب، جنس اور طاقت کے دائروی آرکی ٹائپ کی نمائندگی ہے جو کہ قدیم اساطیری ڈھانچے کی یاد دلاتا ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

یعنی، اس اقتباس کی فضا اساطیری ہے کیونکہ یہ انسانی جدوجہد، قدرت، مرنے اور زندہ رہنے، فتح اور شکست جیسے کائناتی تضادات کو علامتی اور تمثیلی سطح پر پیش کرتی ہے اور پڑھنے والے کے شعور میں کائناتی معنویت پیدا کرتی ہے۔ایک اور اساطیری پہلو کی عکاسی افسانہ "محبت کی داستان" میں یوں ہے:

> "وہ چاقو اُٹھاتا ہے اور اپنا سینہ چاک کر کے دل نکال کر لڑکی کے سامنے رکھتا ہے اور اُسے کہتا ہے کہ ہو بہو ایسا دل بناؤ۔ لڑکی کانپتے ہاتھوں سے اُس کی شبیہ بنانا شروع کرتی ہے جب یہ تصویر مکمل ہوتی ہے تو وہ کلچرڈ موتی کے چھلکے پر بنا سیاہ دل اُٹھالیتا ہے اور اسے دل ہی کی شکل دے کر سینے کے اندر خلا میں اس جگہ رکھ لیتا ہے جہاں سے اس نے اپنا دل نکالا تھا۔ لڑکی میز کے دراز سے سٹیپلر نکالتی ہے، بڑی محبت سے اس کے سینے کے چاک کناروں کو جوڑتی ہے اور اتنی مہارت سے سٹیپلر کی پنیں لگاتی ہے کہ زخم مندمل ہونے پر کوئی نہیں جان سکتا کہ یہاں چاک تھا۔"(12)

اسی داخلی کشمکش کو جب اساطیری تناظر میں دیکھا جائے تو یہ منظر محض نفسیاتی علامت نہیں رہتا بلکہ ایک جدید اسطورہ بن جاتا ہے۔ قدیم اساطیر میں بھی انسان اپنی شناخت بدلنے، نئی صورت اختیار کرنے یا کسی مافوق الفطری قوت سے نیا وجود پانے کے لیے خود کو توڑتا اور دوبارہ تشکیل دیتا ہے۔ اسی طرح یہاں مرد کا دل نکالنا اور پھر ایک نیا دل قبول کرنا، اساطیری قربانی اور ازسرِ نو جنم کے تصور سے ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے۔ لڑکی کا کردار بھی ایک خالق یا تقدیر ساز قوت کی مانند نظر آتا ہے جو انسان کی داخلی ساخت کو بدل رہی ہے۔ زخم کو جوڑ دینا اس بات کی یاد دلاتا ہے کہ اساطیر میں تبدیلی ہمیشہ دکھ کے ساتھ آتی ہے مگر ظاہری طور پر زندگی معمول پر آجاتی ہے۔ یوں یہ پورا منظر جدید انسانی تجربے کو قدیم اساطیری شعور سے ملا کر ایک ایسا بیانیہ تشکیل دیتا ہے جس میں فرد کی ذاتی تکلیف اجتماعی اور کائناتی معنی اختیار کر لیتی ہے۔

اس منظر کو اگر انور سجاد کے اساطیری اسلوب کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ محض ایک علامتی واقعہ نہیں بلکہ ان کی فکشن کی بنیادی روح سے جڑ جاتا ہے۔ انور سجاد اپنے افسانوں میں خارجی حقیقت کو براہِ راست بیان نہیں کرتے بلکہ انسانی وجود کی

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

داخلی ٹوٹ پھوٹ کو ایک ماورائی اور اساطیری فضا میں پیش کرتے ہیں۔ یہاں بھی مرد کا دل نکالنا اور نیا دل رکھنا اسی طرزِ فکر کی نمائندگی کرتا ہے جس میں انسان اپنی اصل ذات سے کٹ کر ایک مصنوعی شناخت اختیار کرتا ہے۔ لڑکی کا کردار بھی ان کے افسانوں کی اُن پراسرار نسائی ہستیوں سے مشابہ ہے جو بظاہر عام نظر آتی ہیں مگر دراصل تقدیر، تخلیق یا اختیار کی علامت بن جاتی ہیں۔ زخم کو سٹیپلر سے جوڑ دینا انور سجاد کی اسی تکنیک کی یاد دلاتا ہے جس میں دکھ دب جاتا ہے مگر ختم نہیں ہوتا اور ظاہری زندگی چلتی رہتی ہے۔ یوں یہ پورا منظر انور سجاد کے اس مخصوص اساطیری اسلوب سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے جہاں انسانی المیہ ایک فرد کی کہانی نہیں رہتا بلکہ جدید انسان کی اجتماعی روحانی شکست کا استعارہ بن جاتا ہے۔ اس ضمن میں بقول شمس الرحمٰن فاروقی

"اسطورہ ماضی کا قصہ نہیں بلکہ حال کی فکری ضرورت ہے۔ جب
فرد کی زندگی اجتماعی بحران سے ٹکراتی ہے تو حقیقت ٹوٹ جاتی ہے اور اس کی جگہ
علامتیں لے لیتی ہیں۔ یہی علامتیں آگے چل کر اساطیری بیانیہ بن جاتی ہیں، جس میں
ذاتی تجربہ تہذیبی معنی اختیار کر لیتا ہے۔"(13)

انور سجاد کے افسانوں میں بھی یہی ٹوٹ پھوٹ نظر آتی ہے۔ چاہے وہ مصنف کے اندازِ بیان میں ہو یا ان کے پیش کیے گئے کرداروں کی صورت میں۔ اساطیر میں چونکہ یہ تصادم پایا جاتا ہے اسی تصادم سے ہی کہانی بنی جاتی ہے۔ اسی قسم کی ایک صورت حال اُن کے افسانہ "مچھلی اور دیوتا" میں کچھ یوں موجود ہے:

"وہ جب بھی ہوش میں آتی ہے، کراہتی ہے، تڑپتی ہے تازہ ہوا کے
بند دروازوں پر دستک دیتی ہے تو قوس قزح کو بستر کے شکنجے میں کس کر بہا دیا جاتا ہے،
اسے اپنی لاش میں اتار دیا جاتا ہے۔"(14)

یہ اقتباس واضح طور پر انسان کے فطری تضادات اور داخلی کشمکش کو اساطیری انداز میں پیش کرتا ہے۔ یہاں عورت کا ہوش میں آنا، کراہنا اور تڑپنا محض جسمانی درد نہیں بلکہ انسانی وجود کی زندگی اور موت، امید اور مایوسی، آزادی اور قید کے درمیان

لڑائی کی علامت ہے۔یوں یہ منظر انسانی وجود کی اچھائی اور برائی کے تصادم کو ایک اساطیری سطح پر پیش کرتا ہے جہاں ایک انسان اپنی طاقت کو استعمال کرتا ہے اور دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

افسانہ "تلاش" سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "گلیوں، بازاروں، سڑکوں کو رات سونگھ گئی ہے۔ سارا شہر رات کے ڈنک کی لذت سے بے ہوش پڑا ہے۔ شہر کے تمام راستے کھدے پڑے ہیں، جیسے شہر والوں نے شہر کی تلاش میں کھود ڈالے ہیں۔"(15)

مصنف نے اپنے پورے افسانے میں کہانی کو تجسس آمیز بنانے کے لیے اساطیری پہلو کے ضمن میں ایسی تمثیلات کو شامل کیا ہے جس سے کہانی کا اسلوب جاندار ہو گیا ہے۔ یہاں یہ پورا منظر انسانی کوشش اور ناکامی، زندگی اور موت، شعور اور لاشعور جیسے متضاد عناصر کو علامتی سطح پر پیش کرتا ہے۔ شہر کے راستے جو کھودے گئے ہیں وہ انسانی اعمال اور اجتماعی جدوجہد کے دائروی اثرات کی تصویر ہیں اور رات کا غلبہ، انسانی زندگی کی محدودیت، خوف اور بے بسی کو اجاگر کرتا ہے۔

لیوی اسٹراس کے اساطیری نظریے کے مطابق بھی انسانی شعور اور فطرت کے درمیان مسلسل تصادم کا علامتی عکس اساطیر کی ہی ایک شکل ہے۔اسٹراس کے مطابق اساطیر بنیادی طور پر انسانی ذہن کی وہ کوشش ہیں جو تضادات کو سمجھنے اور منظم کرنے کے لیے کہانیاں تخلیق کرتا ہے۔ جیسے یہاں شہر کی بے ترتیبی اور راستوں کی کھدائی زندگی، موت، کوشش، ناکامی، شعور، لاشعور جیسے متضاد عناصر کو ایک ساتھ پیش کرتی ہے۔ وہی اسٹراس کے نظریے میں اساطیری کہانی کا مرکزی کام ہے۔جو کہانی کو محض روایت نہیں بلکہ انسانی ذہن کی ساخت کا علامتی آئینہ بنادیتے ہیں۔

> "اساطیر صرف قدیم قصے نہیں بلکہ ایک بیانیاتی ڈھانچہ ہے جو کہانی، علامت اور معنویت کو جوڑ کر پیش کرتا ہے اور اس طرح ادبی بیانیہ کو ایک گہری فکری سمت عطا کرتا ہے۔ اساطیری کہانیاں انسانی تجربے، تہذیب اور معنوی تضادات کو علامتی صورت میں پیش کرتے ہوئے قاری کو فکری سطح پر متاثر کرتی ہیں۔"(16)

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

انور سجاد کے افسانوں میں بھی یہی انسانی تجربے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ تجربات انسان اپنی زندگی سے ہی حاصل کرتا ہے پھر لکھنے والا ادیب انہیں ایک کہانی کے روپ میں قلم بند کرتا ہے اور پھر مزید اُس کہانی میں جان ڈالنے کے لیے سنسنی یا تجسس کی حِس استعمال کرتا ہے تاکہ تحریر لوگوں کی آنکھوں کو بھلی معلوم ہو اور اُن کا پڑھنے کا ذائقہ برقرار رہے۔

بظاہر اساطیر ایک مافوق الفطرت اور حیرت انگیز دنیا کی کہانیاں محسوس ہوتی ہیں مگر درحقیقت یہ انسانی شعور، تجربے اور تہذیبی حافظے کی گہری علامتیں ہیں۔ کیونکہ لیوی اسٹراس نے اِسی اساطیر پر اپنا نظریہ پیش کیا کہ یہ صرف دیومالائی کہانیاں نہیں ہیں بلکہ انسان کی زندگی کے حقیقی تجربات بھی ہوتے ہیں جنہیں ہم اساطیر یا اسطور کہہ سکتے ہیں۔ یہی اسطور انسانی تجربات کی صورت میں انور سجاد کے ہاں اس شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ جیسے اُن کا افسانہ "یوسف کُھوہ" ایک مذہبی اساطیر کے پیرائے میں یوں بیان کیا گیا ہے:

> "جنگل، بیابان، جلتی دوپہر، دور پانی کا کنواں اور مست سی ہیجان
> انگیز، دیوانہ کر دینے والی ــــ کُکو کُو ــــ یوسف کھوہ۔"(17)

انور سجاد کا افسانہ "یوسف کُھوہ" اپنی بنیاد میں ایک مذہبی اسطورے سے جنم لیتا ہے جبکہ تاریخی واقعے کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا عنوان بھی اسی اساطیری روایت سے گہرا رشتہ رکھتا ہے۔ حضرت یوسفؑ اور کنویں کا قصہ محض ایک مذہبی حکایت نہیں بلکہ حسد، آزمائش، تنہائی، بے بسی اور بالآخر نجات کی علامت بن چکا ہے۔ انور سجاد اس عنوان کے ذریعے قاری کو اسی قدیم معنوی دنیا میں داخل کرتے ہیں مگر اسے جدید انسانی تجربے سے جوڑ دیتے ہیں۔ افسانے میں کنواں صرف ایک جگہ نہیں رہتا بلکہ قیدِ ذات، اندھیرے شعور اور وجودی تنہائی کی علامت بن جاتا ہے جبکہ یوسفؑ کا استعارہ مظلوم مگر صابر انسان کی صورت اختیار کرتا ہے۔

اس طرح کی مزید ایک مثال اُن کے دوسرے افسانوی مجموعے استعارے کے افسانہ "پتھر، لہو، کتا" سے ملاحظہ کیجیے:

> "دونوں اپنی اپنی زبان میں لفظوں کے وار کرتے ہیں لیکن بے
> سود۔ نقاب پوش پستول کی نالی اس کی کمر میں لگا دیتا ہے۔ لوئی والا ایک ہاتھ سے بھاری

پتھر کو سینے کے ساتھ سنبھالتا ہے۔ دوسرے ہاتھ سے تہمد کے ڈب سے خنجر نکالتا ہے۔"(18)

اس افسانے میں دو افراد آمنے سامنے ہیں مگر علامتی سطح پر یہ محض دو کردار نہیں بلکہ دو متضاد قوتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ایک برائی کا استعارہ ہے اور دوسرا مظلوم جو کہ اِس کیفیت سے ناواقف دِکھائی دیتا ہے۔ لفظوں سے ایک دوسرے کو قائل کرنا اچھائی کا دائرہ ہے جہاں زبان، شعور اور مکالمہ غالب رہتے ہیں۔ لیکن جب مکالمہ ناکام ہو جاتا ہے تو طاقت اور جبر سامنے آتا ہے جو برائی کے نظام کی علامت بن جاتا ہے۔

اساطیری سطح پر یہ منظر اچھائی (انسانی وقار، زمین، سچ، مزاحمت) اور برائی (جبر، پوشیدہ طاقت، خوف، تشدد) کے ازلی ٹکراؤ کو مجسم کر دیتا ہے۔ دونوں قوتیں نہ ختم ہوتی ہیں اور نہ مکمل فتح پاتی ہیں۔ بالکل اساطیری کہانیوں کی طرح جہاں زندگی اور موت، روشنی اور اندھیرا اور حق اور ظلم ہمیشہ باہم برسرِپیکار رہتے ہیں۔ یوں یہ اقتباس محض واقعہ نہیں بلکہ اچھائی / برائی کی کشمکش کا جدید اسطورہ بن جاتا ہے۔ افسانہ "سنڈریلا" سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"وہ اس کمرے میں سدا سے قید تھی اور اس امید میں تھی کہ کوئی آئے اور اسے اس وطن سے جنوائے۔ پھر وہ سوچتی: کوئی کب اسے جنوائے گا، اسے خود ہی کوئی حیلہ کرنا ہو گا، اس بطن سے مر کے نکلے تو کیا نکلے! وہ چپکے سے دروازہ کھول کر باہر دیکھتی۔ باہر دروازے کے سامنے وہ بھاری بھر کم خونی کتا زبان نکالے ہانپتا ہوا وحشی مکار نظروں سے دیکھتا جو ازل سے وہاں کھڑا تھا۔ وہ کتے کو پچکارنے کی کوشش کرتی، کتا خونخواری سے بھونکتا، قدم اٹھاتا، وہ پچھلے پیر پلٹ کر جھٹ سے دروازہ بند کر دیتی۔ کتے کے بھونکنے سے ماں کو پتہ چل جاتا کہ اس نے پھر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ مع اپنی بیٹیوں کے آتی، کتے کو تھپکی دیتی اور کمرے میں داخل ہو کر بغیر کچھ کہے سنے اس کی خوب پٹائی کرتی ہے۔"(19)

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

انور سجاد کے افسانوں میں اساطیر محض پس منظر نہیں بلکہ علامت، استعارہ اور نفسیاتی ساخت بن کر سامنے آتی ہے جیسا کہ ان کے افسانے "سنڈریلا" میں جادوئی فضا دراصل عورت کی سماجی قید، خوف اور بغاوت کی تمثیل بن جاتی ہے۔ اسی طرح درج بالا اقتباس میں بھی اساطیری پہلو گہری علامتی صورت میں موجود ہے۔ بند کمرہ دراصل رحم اور قید کا استعارہ ہے جہاں عورت زندگی اور موت کے درمیان معلق ہے جبکہ دروازے پر کھڑا خونی کتا اساطیری محافظ کی علامت بن جاتا ہے جو حدود کو پار کرنے نہیں دیتا۔ جیسا کہ یونانی اساطیر میں سربیرس یا ہندو روایت میں بھیرَو حدوں کی نگہبانی کرتا ہے۔ بیٹی کا کردار مظلومیت کا اور ماں کا جابرانہ کردار ہے۔ یوں یہ پورا منظر قید، آزادی، زندگی، موت اور حکم، بغاوت کے اساطیری تضادات کو ڈرامائی علامتوں میں ڈھال کر انسانی وجود کے گہرے المیے کو نمایاں کرتا ہے۔

اردو فکشن نے ابتدا ہی سے قدیم داستانوں اور اساطیری تصوروں سے اثر لیا ہے، کیونکہ ان کے ذریعے انسانی زندگی کے بنیادی سوالات جیسے وجود، خوف، تقدیر، آزادی اور موت کو براہِ راست کہنے کے بجائے علامتی انداز میں دکھایا جا سکتا ہے۔

انور سجاد کے افسانوں میں اساطیر محض قدیم قصوں کی بازگشت نہیں بلکہ جدید انسانی شعور کی علامتی تشکیل کے طور پر سامنے آتی ہے۔ وہ روایتی مذہبی یا تہذیبی اساطیر کو جوں کا توں دہرانے کے بجائے انہیں جدید انسانی اضطراب، جبر، تنہائی اور وجودی بحران کے اظہار کا وسیلہ بنا دیتے ہیں۔ ان کے ہاں بند کمرہ، خون آلود کتا، تاریک رات، کٹا ہوا جسم، یا مصنوعی دل جیسے مناظر حقیقت سے زیادہ علامتیں بن جاتے ہیں جو انسان کی داخلی ٹوٹ پھوٹ اور سماجی قید کو ظاہر کرتے ہیں۔ یوں انور سجاد کی اساطیر کہانی نہیں رہتیں بلکہ ذہنی اور نفسیاتی ساخت کی تصویریں بن جاتی ہیں۔

انور سجاد کے افسانے لیوی اسٹراس کی بنیادی فکر سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ اسٹراس کے مطابق اساطیر انسانی ذہن کی وہ تخلیقات ہیں جو اچھائی برائی، روشنی اندھیرا، زندگی موت، شعور لاشعور، آزادی قید جیسے بنیادی تضادات کو معنی خیز شکل دینے کی کوشش کرتی ہیں۔ انور سجاد کے افسانوں میں یہی دوئی (binary oppositions) بار بار سامنے آتی ہے—مثلاً کمرہ بمقابلہ باہر کی دنیا، ماں بمقابلہ بیٹی، انسان بمقابلہ خونخوار کتا، یا قدرتی دل بمقابلہ مصنوعی دل۔ یہ سب محض پلاٹ کے عناصر نہیں بلکہ انسانی ذہن کے اندر جاری کشمکش کے اساطیری اظہار ہیں۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

انور سجاد نے اساطیر کو جدید اردو افسانے میں ایک فکری نظام بنا دیا ہے۔ ان کے ہاں اساطیر نہ صرف خوف اور پر اسراریت پیدا کرتی ہے بلکہ انسانی سماج، طاقت، جبر اور شناخت کے مسائل کو سمجھنے کا تنقیدی ذریعہ بھی بنتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کے افسانے لیوی اسٹراس کے اس تصور کی عملی مثال بن جاتے ہیں کہ اساطیر دراصل انسانی ذہن کی ساخت کا آئینہ ہوتی ہے جو کہانی سنانے کے پردے میں انسان کی گہری فکری اور نفسیاتی حقیقتیں آشکار کرتی ہے۔

حوالہ جات

1. فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور، نیا جامع ایڈیشن، س ن، ص88
2. ارشد مسعود ہاشمی، ادب اور اسطور، آئندہ، کراچی، شمارہ9
3. عبدالرحمٰن عابد، قاضی، اردو افسانے میں اساطیری علامات، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، 2000ء، ص9
4. ایضاً، ص22

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

5. Lévi-Strauss, Claude. Structural Anthropology. Translated by Claire Jacobson and Brooke Grundfest Schoepf. New York: Basic Books, 1963, pg 81.

6. محمد ارشد لئیق، یادِ رفتگاں: ڈاکٹر انور سجاد، روزنامہ دنیا، ای پیپر، 6 جون 2023ء

7. شمس الرحمٰن فاروقی مشمولہ: اردو افسانہ روایت اور مسائل، گوپی چند نارنگ، پروفیسر (مرتبہ)، "انور سجاد، انہدام یا تعمیرِ نو" (مضمون)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، بار پنجم ۲۰۱۳ء، ص ۵۹۶۔

8. انور سجاد، آج، مکتبہ عالیہ، لاہور، 1982ء، ص 15

9. ایضاً، ص 15

10. گوپی چند نارنگ، پروفیسر (مرتبہ)، اردو افسانہ روایت اور مسائل، مضمون: "اساطیر اور جدید بیانیہ"، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، بار پنجم ۲۰۱۳ء، ص ۴۲۱۔

11. انور سجاد، آج، ایضاً، ص 28

12. ایضاً، ص 30

13. شمس الرحمٰن فاروقی، تفہیمِ غالب، کتاب محل، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص ۲۸۷۔

14. انور سجاد، آج، ایضاً، ص 33

15. ایضاً، ص 43

16. شعیب ابراہیم، اساطیر، کتھا، کہانی اور مابعد جدید تناظر، ڈاکٹر قاضی عابد (ترتیب)، بیکن بکس، لاہور، 2017ء، ص 26

17. انور سجاد، آج، ایضاً، ص 49

18. انور سجاد، استعارے، اظہار سنز، لاہور، طبع اول، 6 ستمبر 1970ء، ص 15

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

19. ایضاً، ص25

20. طیبہ بانو، اردو ادب میں اساطیر (داستان اور ناول کے حوالے سے)، NCPUL Blog،2024ء

کتابیات

Lévi-Strauss, Claude. Structural Anthropology. Translated by Claire Jacobson and Brooke Grundfest Schoepf. New York: Basic Books, 1963.

ارشد مسعود ہاشمی، ادب اور اسطور، آئندہ، کراچی، شمارہ 9

انور سجاد، آج، مکتبہ عالیہ، لاہور، 1982ء

انور سجاد، استعارے، اظہار سنز، لاہور، طبع اول، 6 ستمبر 1970ء

شمس الرحمٰن فاروقی، تفہیمِ غالب، کتاب محل، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء

طیبہ بانو، اردو ادب میں اساطیر (داستان اور ناول کے حوالے سے)، 2024ء

عبدالرحمٰن عابد، قاضی، اردو افسانے میں اساطیری علامات، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، 2000ء

فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور، نیا جامع ایڈیشن، س ن

قاضی عابد، ڈاکٹر (ترتیب)، اساطیر، کتھا، کہانی اور مابعد جدید تناظر، بیکن بکس، لاہور، 2017ء

گوپی چند نارنگ، پروفیسر، (مرتبہ)، اردو افسانہ روایت اور مسائل، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، بار پنجم ۲۰۱۳ء

محمد ارشد لئیق، یادِ رفتگاں: ڈاکٹر انور سجاد، روزنامہ دنیا، ای پیپر، 6 جون 2023ء